﴿حدیث شریف﴾

شریعت کا دوسرا مأخذ

جیسا کہ شروع میں بتایا گیا کہ مآخذِ شریعہ چار ہیں:

(۱)......قرآنِ کریم (۲) حدیث، حضور پاک ﷺ کی سنت مبارکہ (۳) اجماع (۴) قیاس

الحمدللہ پہلا مأخذ ہم پڑھ چکے۔ اب ہم سنت یا حدیث کو اختصار کے ساتھ کور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

رمضان المبارک سے پہلے حدیث پر ہمارا ایک سیشن ہوا تھا جس میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ حدیث یا حضور پاک ﷺ کی سنت بھی شریعت کا مأخذ ہے، جیسے کہ شریعت کے احکام قرآنِ کریم سے ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح احادیث سے اور سنت رسول ﷺ سے بھی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم حجت ہے، حدیث بھی حجت ہے۔ حجت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے مأخذ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سوائے (جیسا کہ پچھلی سیشن میں بتایا تھا) بعض لوگوں کے۔ وہ آئے اور انہوں نے لوگوں کے دلوں میں حدیث سے متعلق شکوک وشبہات ڈالنا شروع کیے کہ حدیث کی تدوین اور لکھنے کے مراحل اتنے زمانے کے بعد ہوئے ہیں، لہٰذا قرآن کی طرح حدیث نہیں ہے اور قرآن پر تو اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن احادیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس کے بارے میں اس گذشتہ سیشن میں تفصیل بیان کردی گئی تھی۔

حدیث کے معنی میں مستعمل الفاظ اور ان میں فرق

عام طور پر حدیث اور سنت، یہ ہم دو لفظ سنتے ہیں، ویسے اور بھی الفاظ ہیں مثلاً خبر اور اثر۔ تو حدیث کے لئے کبھی سنت کا لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور کبھی حدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور کبھی اثر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور کبھی خبر کا لفظ استعمال ہوتا ہے کہ خبر میں آیا ہے۔

یہ جو الفاظ ہیں اصلاً تو ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، جس کو آپ حدیث کہتے ہیں، اس کو آپ سنت بھی کہہ سکتے ہیں، مثلاً ایک حدیث ہے ''انما الأعمال بالنیات'' (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) تو اگر کوئی اس کو سنت کہے تو سنت بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی سنت ہے، اگر آپ اس کو حدیث کہیں تو حدیث بھی کہہ سکتے ہیں، اگر آپ اس کو خبر کہیں تو خبر بھی کہہ سکتے ہیں، تو مختلف نام ہیں۔ لیکن فنی طور پر علماءِ حدیث اور محدثین کرام نے ان الفاظ کے درمیان کچھ فرق بھی بیان کیا ہے۔ جیسے:

حضور اقدس ﷺ کے صرف اقوال کو حدیث کہتے ہیں۔ اور سنت عام ہے، آپ علیہ السلام کے اقوال کو بھی سنت کہتے ہیں اور آپ علیہ السلام کے افعال کو بھی سنت کہتے ہیں۔ آپ نے جو فرمایا ہے وہ بھی سنت اور آپ نے جو کیا ہے وہ بھی سنت۔ لیکن جو آپ نے کیا ہے اس کو ''حدیث'' نہیں کہتے۔ تو سنت عام ہے کہ اس کا تعلق آپ کے قول سے بھی ہے اور آپ کے فعل سے بھی ہے۔ اور حدیث کا تعلق صرف آپ کے قول سے ہے، جسے ''حدیثِ قولی'' کہتے ہیں۔

تو حدیث کی تین قسمیں ہیں:

۱......حدیثِ قولی

۲......حدیثِ فعلی

۳......حدیثِ تقریری

تو اگر ہم سنت یا حدیث کی تعریف کریں تو اس طرح کریں گے کہ:

''حدیث یا سنت حضورِ پاک ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کو کہتے ہیں''۔

تو اس میں تین چیزیں ہیں: (۱) قول (۲) فعل (۳) تقریر

قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے زبان سے کچھ ارشاد فرمایا۔ جیسے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''انما الأعمال بالنیات'' (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) یہ آپ نے زبان سے ارشاد فرمایا۔ یہ تو قول ہے۔

فعل کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا، مثلاً آپ ﷺ نے کس طرح کھایا، آپ ﷺ نے کس طرح پیا، یا آپ ﷺ نے عبادت کے کس طرح کی، روزہ کس طرح رکھا تھا، معاشرت کس طرح رکھی۔ تو یہ آپ کے افعال ہیں۔

تقریر: یہ اردو والی تقریر مراد نہیں بلکہ یہ ''قرر یقرر قرار'' سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے ''کسی کو کسی کام پر برقرار رکھنا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا مثلاً خرید و فروخت کی وغیرہ، آپ نے دیکھا اور منع نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اور سکوت فرمایا، اس کو ''تقریر'' کہتے ہیں، یہ بھی حدیث ہے۔ آپ کا منع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام جائز ہے۔ ورنہ آپ ﷺ ضرور منع فرمادیتے۔ جب آپ نے اس کا مشاہدہ کیا اور دیکھا اور منع نہیں کیا، تو گویا کہ آپ نے اس کام کو جائز قرار دیا۔

یہ تینوں حجت ہیں اور تینوں سے شریعت کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

کیا نبی ﷺ کا فعل ہر حال میں حجت ہے؟

کتاب اللہ کے ضمن میں فعل اور قول سے متعلق فرق بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کا قول تو بہر حال حجت ہے البتہ فعل میں کچھ تفصیل ہے، کیونکہ آپ کے بعض افعال ایسے ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، ضروری نہیں کہ وہ ہر حال میں حجت ہوں کہ آپ نے چونکہ کیا، اس لئے میں بھی کروں۔ بعض افعال ایسے بھی ہیں جو آپ ﷺ نے طبعاً کیے ہیں، بعض کام ایسے کیے جو آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص تھے، آپ ﷺ کی خصوصیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کی کیا کیا خصوصیات تھیں جو دوسرے لوگوں کے لئے جائز نہیں۔ مثلاً ''چار سے زیادہ شادیاں کرنا''۔ ایک آدمی کہے کہ چونکہ آپ ﷺ نے چار سے زیادہ شادیاں کیں اور یہ حدیثِ فعلی ہے، اس لئے میں بھی چار سے زیادہ شادیاں کروں تو یہ جائز نہیں۔ چنانچہ یہ آپ ﷺ کا فعل ہے، آپ کا فعل ناجائز نہیں ہو سکتا، لیکن چونکہ دوسرے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

اسی طرح تہجد کی نماز آپ کے لئے ضروری تھی، جیسا کہ سورہ مزمل میں ذکر ہے، یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ لیکن امت کے لئے اس کو ہلکا کر دیا گیا کہ پڑھنا ضروری نہیں، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔ بہت ثواب والا کام ہے۔

تو آپ کے اقوال تو بہر حال حجت ہیں اور فعل کے حجت ہونے میں تفصیل ہے کہ آپ نے یہ جو کام کیا آیا یہ پوری امت کے لئے ہے یا آپ کے ساتھ خاص ہے؟

کچھ کام آپ ﷺ نے طبعاً کیے ہیں اور کچھ کام آپ نے بھول کر بھی کیے جسے سہواً کہتے ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں آپ ﷺ نے بھول کر دو رکعت پر ہی سلام پھیر دیا۔ وحی کا زمانہ تھا، اس زمانے میں تو احکامات میں تبدیلیاں ہوتی تھیں تو صحابہ کو شک ہوا کہ کہیں وحی کے ذریعہ نماز میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی تو ایک صحابی نے پوچھا کہ ''قصرت الصلاۃ أم نسیت یا رسول اللہ؟'' (اے اللہ کے رسول نماز میں

کمی کی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟)

تو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ آپ نے بھی چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرا تھا اس لئے آج میں بھی دو رکعت پر سلام پھیرتا ہوں، تو ایسا شخص بیوقوف ہوگا، کیونکہ آپ نے دو رکعت پر جو سلام پھیرا تھا وہ سہوا پھیرا تھا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے افعال کے اندر درجہ بندی ہے۔

''اثر'' کا لفظ صحابہ کرامؓ کے اقوال کے لئے مستعمل ہے

اثر کا زیادہ تر استعمال کسی صحابی کے قول پر کیا جاتا ہے۔ مثلا حضرت ابوبکر، عمر، عثمان یا حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کوئی بات کہیں اور اس بات کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف نہ کریں تو یہ اثر ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال پر بھی با قاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً آثار الصحابہ وغیرہ۔ جس آگے مزید تفصیل آئے گی۔ ان شاءاللہ

حدیث کی تقسیمات

جیسا کہ قرآن کریم کے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس میں چار تقسیمات ہیں۔ اور تقسیم اول کے اعتبار سے اتنی قسمیں ہیں۔ خاص، عام، مشترک، مؤول وغیرہ۔ جو حضرات گذشتہ دروس میں حاضر رہے، انہیں ان تقسیمات کے بارے میں معلوم ہے۔

اسی طرح حدیث کے اندر بھی چار تقسیمات ہیں؛

اتصال کا مطلب

حدیث کی پہلی تقسیم اتصال کے اعتبار سے ہے۔ اتصال کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو حدیث بیان کر رہے ہیں اس حدیث کا حضور ﷺ تک پہنچنا کیسا ہے، آیا درمیان میں کوئی راوی نکلا تو نہیں ہے۔ یا درمیان میں جو راوی ہے، وہ کس قسم کا ہے۔ یا روایوں کی تعداد کتنی ہے۔ ہم سے حضور ﷺ تک پہنچنے والا جو سلسلہ حدیث ہے اس کی کیا کیفیت ہے۔ خیر القران میں راویوں کی تعداد کتنی ہے وغیرہ

''خیر القرون'' یہ قرن کی جمع ہے صدی کو کہتے ہیں، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کو خیر القرون کہتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں خیر غالب تھی اور شر کم تھا، وہ خیر کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں حدیث کے سلسلہ سند کی کیا کیفیت تھی۔

اس تقسیم میں تین مشہور قسمیں ہیں:

۱)......المتواتر

۲)......المشہور

۳) خبر الواحد (مرکب اضافی ہے، یعنی ایک آدمی کی خبر۔ ''الخبر الواحد'' درست نہیں)

متواتر: یہ تواتر سے نکلا ہے۔ تواتر کے معنی ''تسلسل'' کے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تواتر کے ساتھ یہ بات چلی آ رہی ہے، یعنی تسلسل کے ساتھ یہ بات چلی آ رہی ہے، درمیان میں کوئی انقطاع نہیں ہے۔

حدیثِ متواتر کی تعریف:

حدیث متواتر ہم اس حدیث کو کہیں گے کہ جس حدیث کو روایت کرنے والے اتنے ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال سمجھتی ہو کہ اتنے راوی ہیں، یہ اتنے راوی کہاں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی خاص تعداد مقرر نہیں ہے کہ دس ہوں، پچاس ہو، ہزار

ہوں، بلکہ تعداد اس حد تک پہنچ جائے ہر آدمی کی عقل یہ فیصلہ کرے کہ اتنے لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ بات سچی ہے۔ جب تعداد اس حد تک پہنچ جائے تو اس حد کو تواتر کی حد کہیں گے۔

مثال کے طور پر صبح ہم ایک راستہ سے اپنے آفس آئے، پیچھے وہاں کوئی حادثہ پیش آیا، ہمارے کسی ساتھی نے آ کر اطلاع دی کہ بلوچ پل پر اس طرح کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، تو سننے والا پوری طرح یقین نہیں کرے گا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو، چلتی گاڑی میں آیا ہے، پتہ نہیں کیا دیکھا ہوگا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد دوسرا آیا، اس نے بھی آ کر اسی واقعہ کے بارے میں بتایا کہ وہاں تو بہت لوگ جمع ہو گئے تھے، اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ تو سننے والے کے یقین میں کچھ اضافہ اور شک میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ پھر تیسرا آیا، اس نے بھی اسی واقعہ کی اطلاع دی، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ کئی آدمیوں کی اطلاع کی وجہ سے آپ کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ یہ سب کے سب جھوٹ نہیں بول سکتے، اور سب کو دھوکا تو نہیں ہوسکتا۔ واقعی کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ واقعی بات سچی ہے۔ اب اس حد کو "حدِ تواتر" کہیں گے۔

تو جہاں پر کسی بھی واقعہ کے بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی ہو جائے کہ عقل ان سب کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال سمجھے۔ اس کو تواتر کہتے ہیں۔ یہ صرف حدیث کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ عام واقعات میں بھی ہوسکتا ہے۔

متواتر کی شرائط:

متواتر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ تینوں قرونِ ثلاثہ (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ) میں اس کے راویوں کی تعداد ایک جیسی رہے۔ یعنی زیادہ تو ہو جائے لیکن کم نہ ہو۔

اسی لئے خبر متواتر کے لئے کہتے ہیں کہ: "اولہ کآخرہ وآخرہ کأوسطہ وأوسطہ کأولہ" یعنی جس کا اول آخر کی طرح ہو، آخر درمیان کی طرح ہو، اور درمیان اول کی طرح ہو"

اول سے مراد صحابہ کا زمانہ ہے۔

أوسط سے مراد تابعین کا زمانہ ہے۔

آخر سے مراد تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

تو ان تینوں زمانوں میں راویوں کی تعداد کم نہ ہو، زیادہ ہو تو کوئی مسئلہ نہیں۔

حدیثِ متواتر کا حکم:

حدیث متواتر کا حکم ہے: "الثابت بالمتواتر کالثابت بالقرآن" یعنی قرآن سے جو حکم ثابت ہوتا ہے جیسے وہ قطعی ہوتا ہے، اسی طرح حدیثِ متواتر سے ثابت شدہ حکم بھی قطعی ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ قطعی الدلالۃ ہو، کیونکہ آپ کو پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو نص قطعی الثبوت ہو، وہ قطعی الدلالۃ بھی ہو۔ قرآن کریم پورا کا پورا قطعی الثبوت ہے، اس کے ایک لفظ میں بھی کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام نہیں ہے، تو ثبوت میں تو کوئی شک نہیں لیکن جس آیت کے معنی یا اس کی جو تفسیر آپ بیان کر رہے ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی اس کا معنی یا اس کی تفسیر ہو، ممکن ہے کہ کسی اور معنی یا تفسیر کا احتمال ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہر آیت قطعی الدلالۃ ہونا ضروری نہیں۔

اسی طرح حدیث جب متواتر ہوگئی تو قطعی الثبوت ہوگئی، یعنی کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ یہ بات سچی ہوگئی کہ یہ بات آپ ﷺ کا ہی ارشادِ مبارک ہے۔ من گھڑت ہونے کا احتمال تو ختم ہو گیا۔ اب اگر وہ حدیث قطعی الدلالۃ بھی ہو تو اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوگا وہ قطعی

ہوگا۔اس پر ایمان لانا ضروری ہوگا،اس حکم سے اگر کوئی شخص انکار کرے تو وہ شخص کافر ہوگا۔

ایک سوال:

عام طور سے لوگ یہ سوال بہت کرتے ہیں کہ ’’کسی خاص حدیث کا منکر کافر ہے یا نہیں؟‘‘

جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات سے قطعِ نظر کرکے کہ حدیث متواتر ہے،مشہور ہے یا خبرِ واحد ہے،اگر کوئی شخص مجموعی طور پر حدیث کا انکار کرے اور یہ نعرہ لگائے کہ ’’حسبنا كتاب الله‘‘ (ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے)اور یہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ صوفوں پر ٹیک لگائے بڑے آرام سے کہیں گے ’’حسبنا كتاب الله‘‘(ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے)ہمیں کسی اور چیز کی کوئی ضرورت نہیں۔تو آپ ﷺ نے اپنے زمانے ہی میں انکارِ حدیث کے فتنہ کی طرف اشارہ فرمادیا تھا۔آپ ﷺ نے بہت سارے فتنوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا،کچھ فتنے تو ظاہر ہوگئے اور مزید ظاہر ہونگے۔

اب یہ جملہ یعنی ’’حسبنا كتاب الله‘‘ (ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے)تو بظاہر بڑا اچھا جملہ ہے،لیکن اس کو کہتے ہیں ’’كلمة حق أريد بها الباطل‘‘ یعنی حق جملہ سے باطل معنی مراد لیا گیا‘‘۔بعض اوقات ایک بات حق ہوتی ہے لیکن اس کے پیچھے باطل ہوتا ہے۔کیونکہ اس جملہ کو اگر ہم عام معنی میں استعمال کریں تو صحیح ہے کوئی مضائقہ نہیں،کیونکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہمارے لئے قرآن کافی ہمیں انگریز کا قانون نہیں چاہیے۔تو اگر انگریز یا کسی اور قانون کی نفی کرتے ہوئے اس جملہ کو استعمال کریں تو کوئی مسئلہ نہیں،لیکن اگر اس جملہ سے حضور ﷺ کی احادیث اور آپ کی سنتوں کی نفی کریں تو یہ کفریہ جملہ ہے۔لہٰذا بعض اوقات لوگ بات تو حق کرتے ہیں لیکن اس بات سے کسی باطل کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا احادیث کا مجموعی اعتبار سے انکار کفر ہے۔لیکن اگر کسی خاص حدیث کا کوئی انکار کرے تو پھر اس میں مندرجہ بالا تفصیل ہوگی۔

آپ نے کسی کو کوئی حدیث سنائی،اس نے کہا کہ اس حدیث کو میں تو نہیں مانتا،آپ نے کہا کہ ’اوہ!حدیث سے انکار کردیا‘‘ آپ نے اس پر کفر کا فتویٰ لگادیا۔تو آپ کفر کا فتویٰ نہیں لگاسکتے۔کسی آیت سے انکار کرے تو کافر ہے،اس کے کفر میں تو کوئی شک نہیں،وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔لیکن اگر کوئی شخص مذاق کے طور پر کسی حدیث سے انکار سے تو پھر وہ مذاق کی وجہ سے کافر ہوجائے گا،کیونکہ ایک انکار ہے اور ایک اہانت ہے۔تو اہانت واستہزاء الگ چیز ہے۔تو اہانت واستہزاء کی وجہ سے وہ کافر ہوجائے گا،کیونکہ اس نے نبی کریم ﷺ کے قول کا احترام نہیں کیا۔

اسی طرح مثلاً ڈاڑھی ہے۔کوئی نہ رکھے تو گناہ ہے،لیکن اگر داڑھی کا مذاق اُڑائے تو کافر ہوجائے گا،اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔اسی طرح کوئی بھی سنت آپ لے لیں۔ہمارے ہاں چونکہ بے احتیاطی کا زمانہ ہے،ہم نہ صرف نہیں کرتے،بلکہ اُلٹا مذاق اڑاتے ہیں۔یہیں سے بدبختی شروع ہوجاتی ہے۔

بہر حال!حدیثِ متواتر سے جو حکم ثابت ہو،وہ حکم قطعی ہے۔یقین کے درجہ میں ہے اور یقین بھی ایسا ہے جیسا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔خبر متواتر معائنہ اور مشاہدہ کی طرح ہے جیسے کہ کوئی چیز آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔اب کوئی واقعہ آپ نے نہیں دیکھا کہ لیکن چار پانچ ساتھیوں نے جب اس واقعہ کے بارے میں آپ کو بتایا تو اب آپ کو ایسا یقین ہوگیا جیسا کہ آپ نے اس واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ،مدینہ منورہ،لندن اور امریکہ نہیں دیکھا،لیکن انہیں اس کا یقین

ہے۔جنہوں نے دیکھا، ان کو بھی یقین ہے اور جنہوں نے نہیں دیکھا، ان کو بھی یقین ہے۔جنہوں نے دیکھا ہے ان کا یقین مبنی پر مشاہدہ ہے، اور جنہوں نہیں دیکھا ان کا یقین مبنی پر خبر متواتر ہے۔

یقین کے ذرائع:

ا......تواتر ٢......مشاہدہ ٣......تجربہ

یہ تینوں یقین کے بڑے ذرائع ہیں۔

خبر یا حدیث مشہور:

یہ وہ حدیث ہے جو آپ ﷺ سے تو ایک دو صحابہؓ نے سنی، یعنی زمانہ صحابہ میں اس کے راوی کم ہیں لیکن دوسرے اور تیسرے قرن میں تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہے۔ظاہر ہے اس کا درجہ متواتر سے کم ہو گیا۔

حکم:

خبر مشہور سے حاصل ہونے والا علم "علم الطمانية" ہوتا ہے۔کہ آدمی کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے۔اگر کوئی ایسے شرعی حکم کا انکار کرے تو احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے تو وہ کافر تو نہیں لیکن فاسق ہے۔

خبر الواحد:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے، دوسرے اور تیسرے قرن میں اس کے راویوں کی تعداد وہ نہیں جو متواتر اور مشہور کی تھی، اگر چہ بعد کے زمانے میں اس کے راوی بہت زیادہ ہو گئے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اب بعد کے زمانے میں مثلاً بخاری، مسلم، اور صحاح ستہ کی جو دیگر کتابیں ہیں یہ تو سب کتابوں میں آ گئیں اور سب کا درجہ ایک ہو گیا، سب کو لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، ان میں ہر طرح کی احادیث ہیں۔لہٰذا بعد کا اعتبار نہیں۔کیونکہ بعد میں تو ساری کی ساری احادیث متواتر بھی ہو گئیں اور مشہور بھی ہو گئیں۔تو قرونِ ثلاثہ کے اعتبار سے تواتر، شہرت، اور وحدت کا اعتبار ہو گا۔

سوال: کیا خبر الواحد میں ایک ہی راوی ہوتا ہے؟

جواب: یہ اصطلاح ہے، ضروری نہیں کہ ایک ہی راوی ہو دو بھی ہو سکتے ہیں، تین بھی ہو سکتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ راویوں کی تعداد تواتر اور شہرت کی حد کو نہ پہنچے۔

خبر واحد سے حاصل ہونے والے علم کا حکم:

خبر واحد سے حاصل ہونے والا علم "علم الظن"، ظنی علم ہوتا ہے۔یہ قطعی کے مقابلہ میں ہے جس میں کوئی شک ہو۔

خبر واحد سے ثابت شدہ حکم کے انکار کی دو صورتیں ہیں:

ا)......اپنی علمی تحقیق کی وجہ سے کسی نے انکار کیا ہو۔جیسے محدثین ہیں کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اس علم حدیث میں صرف کر دیں، اپنی علمی تحقیق کی بنیاد پر کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں۔مثلاً امام شافعیؒ نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہم احناف اس حدیث سے استدلال نہیں کرتے۔اسی طرح بڑے بڑے محدثین ہیں۔تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔

٢)......بلا کسی علمی تحقیق اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرے۔تو پھر اس انکار کا درجہ وہی ہے جو حدیثِ مشہور کے انکار کا ہے کہ فاسق

ہوگا۔

خبر واحد سے حاصل ہونے والے علم کی شرائط:

۱)......مسلمان ہو، کافر کی خبر کا اعتبار نہیں۔

۲)......عاقل، بالغ ہو، مجنون نہ ہو، نابالغ نہ ہو۔

۳)...... عادل ہو، یعنی بڑے گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، چھوٹے گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ روایت اور گواہی کے مسئلہ عدالت انصاف کے معنی میں نہیں ہے۔ یہ شرائط صرف کسی حدیث کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر دیانات کے مسائل میں بھی ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ کافر اگر خبر دے کہ قبلہ اس طرف ہے، پانی پاک ہے، یا کہے کہ یہ جو ذبیحہ ہے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے تو اس کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں، اسی طرح اگر کوئی نابالغ خبر دے۔ تو اس کا اعتبار نہیں۔

عدالت کی تفصیل میں بعض فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ راستے، گلیوں اور مارکیٹوں میں اگر کوئی کھاتا پیتا ہے تو وہ بھی فاسق ہے۔ کیونکہ یہ مروت و آداب کے خلاف ہے کہ ایک آدمی چلتے پھرتے کھاپی رہا ہے۔ چھالیا کھا رہا ہے، چھالیا ہوسکتا ہے کہ مستثنیٰ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ ایسا شخص مردود الشہادۃ ہے، قاضی اس کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ عرف و عادت میں اس کو آداب و مروت کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔ بازاروں میں بڑے بڑے ہوٹلز بھی ہیں، وہاں کھانا مروت کے کوئی خلاف نہیں۔ معزز لوگ فٹ پاتھ پر بیٹھ یا چلتے پھرتے آم نہیں چوسا کرتے۔

۴)......ضبط: اس کے مندرجہ ذیل پانچ درجات ہیں:

(۱) سماع (۲) فہم (۳) حفظ (۴) ثبات (۵) أداء

یعنی پہلے سنا، پھر سمجھا، پھر یاد کیا۔ ذہن میں بٹھایا، پھر اس کو یاد رکھا اس کے بعد پھر اس کو آگے تک پہنچایا۔

جس راوی میں یہ پانچ صفات ہوں تو اس کی خبر قبول کی جائے گی۔